

ماںک سرکار چار مرتبہ تری پورہ کا وزیر اعلیٰ رہا۔ مسلسل لگاتار 1949ء میں پیدا ہونے والا یہ سیاستدان ہمارے صفت اول کے

سیاستدانوں کی عمر کے تقریباً برابر ہو گا۔ غلط لفظ استعمال کر گیا۔ صفت اول کے سیاستدان۔ معاف کیجئے، یہاں صفت اول کے لیڈر ان یا اہم لوگ بالکل موجود نہیں ہیں۔ یہ تو دس نمبر کی لائے میں موجود لوگ تھے جو جھوٹ، سازش اور لوگوں کو بیوقوف بنانے کے صفت اول میں ہونے کا یقین دلاتے ہیں۔ عام لوگوں کو سب معلوم ہے مگر نظام کا جبرا یسا ہے کہ کوئی بھی سچ بولنے کی ہمت نہیں کرسکتا۔ ویسے ضرورت بھی نہیں ہے۔ بات ماںک سرکار کی ہو رہی تھی۔ جب وہ 1998ء میں پہلی بار وزیر اعلیٰ بنا، تو سٹاف نے اسکے سامنے ایک کاغذ رکھا۔ درج تھا کہ آپ کے پاس کتنی جائیداد ہے۔ کتنا سرمایہ ہے۔ کتنی گاڑیاں ہیں۔ یعنی آپ کے اثاثے کیا ہیں۔ ماںک سرکار نے آٹھ آنے کی پکی پینسل جیب سے نکالی اور سوال نامے پر درج کیا کہ میرے پاس کوئی اثاثے نہیں ہیں۔ وزیر اعلیٰ کا سٹاف یہ سمجھا کہ شائد ماںک سرکار معااملے کو گہرائی سے سمجھ نہیں پایا۔ روایتی لجاجت سے دوبارہ پوچھا کہ جناب، یہ سوال نامہ آپ کو اپنے اثاثوں کے متعلق بتانے کیلئے ہے۔ شائد آپ نے اسے غور سے نہیں پڑھا۔ ماںک سرکار نے دوسرے سوال نامے پر لکھا کہ میرے پاس کسی قسم کے کوئی اثاثے نہیں ہیں۔ کار نہیں ہے۔ زمین نہیں ہے اور ذاتی گھر تک نہیں ہے۔ شائد ماںک سرکار کے عملہ کی طرح آپ کو بھی یقین نہ آئے۔ مگر حقیقت یہی ہے۔ وزیر اعلیٰ کے والد درزی تھے اور والدہ الجلی سرکار، ایک محکمہ میں معمولی سی پوسٹ پر کام کرتی تھیں۔ وزیر اعلیٰ بننے کے بعد ماںک سرکار نے کسی قسم کی سرکاری مراعات لینے سے انکار کر دیا۔ حد تھی یہ ہے کہ اس نے اپنی تختواہ بھی اپنی سیاسی پارٹی کے اکاؤنٹ میں جمع کروانی شروع کر دی۔ پارٹی، ماںک کو دس ہزار روپے مہانہ دیتی تھی۔ جو پاکستانی تقریباً پنیس ہزار روپے بنتے ہیں۔ ماںک اور اسکی بیوی پنچالی بھٹاچاریا اس تختواہ میں گزارا کرتے رہے۔ بیوی سو شل ولیفیر محکمہ میں معمولی سی سطح پر کام کرتی تھی۔ اسکو دفتر آنے جانے کیلئے سرکاری گاڑی استعمال کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ روز وزیر اعلیٰ ہاؤس میں ایک رکشہ آتا تھا۔ وزیر اعلیٰ کی بیوی کو دفتر لیجا تھا۔ اس طرح دفتر سے شام کو واپس بھی رکشہ یا بس پوہوتی تھی۔ اگر آپ انڈیا کے بورڈ آف ریونیوکی ویب سائٹ پر جائیں تو ٹیکس ادا کرنے والوں میں ماںک کا نام نہیں ملے گا۔ اسیلے نہیں کہ ہمارے اکثر چورتاجروں اور تابکار سیاستدانوں کی طرح وہ ٹیکس چوری میں ملوث تھا۔ بلکہ اسیلے کہ ماںک، اس سطح پر آتا ہی نہیں تھا اور ہے کہ وہ ٹیکس ادا کرے۔ اسکی آمدی اتنی کم ہے کہ وہ ٹیکس ادا کرنے والوں کی فہرست میں نہیں ہے۔ چنانچہ آج تک اس عظیم آدمی نے کبھی کوئی ٹیکس نہیں دیا۔ اب آپ اسکی بیوی کی رو داد سننے جو سرکاری ملازم رہی۔ پنچالی کو اپنے نانا کی وراثت میں آٹھ سو اٹھا سی سکو رفت زمین ملی۔ ریٹائرمنٹ کے وقت اہلیہ کو جو پسے ملے، ان پیسوں سے ایک معمولی سا گھر بنالیا۔ اسکی آج کی قیمت اٹھارہ لاکھ ہے۔ اس نے یہ گھر اپنی بہنوں کو رہنے کیلئے وقف کر دیا ہے۔ نیا منتخب ہونے والا وزیر اعلیٰ۔۔۔ کمار، ماںک سرکار کے پاس آیا۔ اور اسے کہا کہ بطور وزیر اعلیٰ، اسے تمام مراعات استعمال کرنے کا قانونی حق ہے۔ سرکاری بگلہ، سرکاری گاڑی، سٹاف سب کچھ اسکا قانونی حق ہے۔ مگر ماںک سرکار نے انکار کر دیا۔ دو کروڑ کے ایک معمولی سے گھر میں رہتا ہے جو اسے اسکی سیاسی پارٹی نے دے رکھا ہے۔ یہ

گھر، دفتر کی بالائی منزل پر موجود ہے۔ مانک سرکار آج بھی سادگی سے اپنی زندگی گزار رہا ہے۔ اسکی بیوی روز بازار سے سودا اسلف خود خریدتی ہے۔ کھانا خود بناتی ہے۔ بیس برس کے لگ بھگ وزیر اعلیٰ کے گھر میں آج بھی کوئی نوکر نہیں ہے۔ مانک سرکار انہائی پُر سکون زندگی گزار رہا ہے۔ وہ جس محلے یا گلی سے گزرتا ہے، لوگ احتراماً اسکے پاؤں چھوتے ہیں۔ اسے بھگوان کا اوتار گردانتے ہیں۔ مانک کے نام پر لوگ، تری پورہ میں اپنے بچوں کے نام رکھتے ہیں۔ ہندوستان کی سیاست میں ایمانداری کی اصل تصویر مانک سرکار ہے۔ یہ قابل فخر سیاستدان آج بھی ہندوستان کی سیاست کا چمکتا ہوا ستارہ ہے۔ جس پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے۔

اس تمام صورتحال کا سیاسی موازنہ پاکستان سے کیا جائے تو سوائے شرمندگی کے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ یہ بات نہیں کہ ہمارے اعمال نامہ میں ایماندار سیاستدان نہیں تھے۔ بالکل تھے۔ جیسے محترم معراج خالد صاحب، غلام حیدر دایی، محترم حشمت راء اور چند دیگر اصحاب۔ مگر انکی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔ آٹے میں نمک والا محاورہ بھی اسکی ترجمانی نہیں کر پاتا۔ اسی فہرست میں شائد نصف درجن کے قریب یا اس سے بھی کم ہوں۔ ویسے موازنہ تو بنتا ہی نہیں ہے۔ کیونکہ ہر شعبہ میں، ایسے ایسے بھری قزاق، ڈھونگ رچا کر بیٹھے ہیں کہ افسوس کے علاوہ کچھ بھی یارہ نہیں ہوتا۔ ویسے جھوٹ، فریب میں پی اتیج ڈی سے بھی اوپر کوئی ڈگری ہے، تو یہ ہمارے ملکی اکابرین نے امتیازی نمبروں سے پاس کر کھی ہے۔ ہاں ایک اہم ترین بات۔ یہ بے ایمانی صرف سیاستدانوں تک محدود نہیں ہے۔ تاجر، بڑے بڑے کاروباری جنات، پر اپرٹی کے بادشاہ، چند مہبی پنڈت، سرکاری ملازمین کی اکثریت، تقریباً تمام شعبہ ہائے زندگی کے افراد اس میں شامل ہیں۔ اور یہ معاملہ اب بگاڑ کی طرف مزید جارہا ہے۔ ایسے لگتا ہے کہ اب کرپشن کو روکنا تو درکنار، اسکو کم کرنا بھی حد درجہ مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ لوگوں کے سامنے سیاستدان، اور چند سرکاری اداروں کے علاوہ، دیگر ادارے یا افراد، ذرا پچھے ہوتے ہیں، لیکن عام لوگوں کا ان سے براہ راست واسطہ بہت کم پڑتا ہے۔ لہذا انکی پرده پوشی قائم و دائم رہتی ہے۔ ذرا ملاحظہ فرمائیے۔ ایک صاحب تشریف لائے۔ وہ چین سے سامان منگوا کر ملک میں فروخت کرتے ہیں۔ ہر لحاظ سے متول انسان۔ فرمانے لگے کہ وہ کوئی ٹیکس نہیں دیتے۔ میرے لیے یہ حیرت کی بات تھی کہ اتنا امیر انسان، کس طرح سرکاری واجبات ادا نہیں کرتا۔ انہوں نے اپنا سسٹم بتایا۔ انہوں نے درجنوں کمپنیاں رجسٹر کروائی ہوئی ہیں۔ وہ ایک کمپنی کے نام پر کنٹینر منگوائے ہیں۔ اب ایک پورا جعلی نظام حرکت میں آتا ہے۔ چین کیونکہ بے ایمانی کے کاروبار میں یکتا ہے۔ لہذا وہاں کی چینی کمپنی کسی جعلی نام سے مال پاکستان بھجوائی ہے۔ یہاں کشمکشم والے عمال بھاری رشوت کے عوض اسے کسی اور نام پر کلیئر کرتے ہیں۔ پیسے کالین دین مکمل طور پر مختلف بے نامی اکاؤنٹوں سے کیا جاتا ہے۔ لاہور آتے ہی مال بغیر کسی رسید کے اطمینان سے بیچ دیا جاتا ہے۔ پھر صاحب، خود ہی فرمانے لگے کہ ہم پاکستان میں اپنی کمپنی کو صرف ایک بار استعمال کرتے ہیں۔ پھر، دوسری کمپنی کے نام پر کام شروع کر دیتے ہیں۔ انکی ماہانہ آمدنی تقریباً دو کروڑ کے قریب ہے۔ اور انکا نام ٹیکس دینے والوں کی فہرست میں موجود ہی نہیں ہے۔ بالکل اسی طرح فرمانے لگے کہ پاکستان میں کوئی بھی چیز منگوائی ہو، تو صرف دو تین دنوں میں بغیر کسی تردود کے گھر پہنچ جائیگی۔ اس میں منوع یا غیر منوع کا کوئی فرق نہیں ہے۔ بتانے لگے کہ تقریباً ایک ہزار افراد کا ایک گروہ برسوں سے کام کر رہا ہے۔ یہ کراچی، لاہور اور دیگر ایئر پورٹوں سے دوہی اور دیگر ممالک میں روز کی بنیاد پر جاتے ہیں۔ دوہی میں ایسے گینگ

موجود ہیں جو تمام سامان ان۔ کوفروخت کرتے ہیں۔ یہ صرف چوبیں گھنٹے میں مال لیکر واپس پاکستان آ جاتے ہیں۔ ائیر پورٹ پرسکاری عمال ان سے روزانہ کی بنیاد پر لاکھوں روپیہ رشوت وصول کر کے بڑے آرام سے بلکہ عزت و احترام سے کلیئر کر دیتے ہیں۔ آپ نے یہ سب کچھ کم سنا ہوگا۔ کیونکہ اس نے عام آدمی کے گوناگدی مسائل کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ ناجائز طور پر آیا ہوا سامان بھی بڑے اطمینان سے مقامی مارکیٹ میں فروخت ہو جاتا ہے۔ اب آپ خود بتائیے کہ کونسے لفظ استعمال کیے جائیں۔ مجھے تو افسوس اور رنج جیسے الفاظ بھی بے معنی سے نظر آتے ہیں۔ اس طرح کے ہزاروں نہیں، لاکھوں واقعات تسلسل سے ملک میں ہوتے جا رہے ہیں۔ مگر کسی کے کافنوں پر کوئی جوں تک نہیں رینگتی۔ ویسے رینگنی بھی نہیں چاہیے۔

سیاستدانوں کی طرف دیکھیے تو دل دہلتا ہے۔ آج بھی یہ لفظ سب کو یاد ہوگا۔ کہ ”اگر مجھ پر یا میرے خاندان پر دھیلے کی کرپشن ثابت ہو جائے، تو میں سیاست چھوڑ دوں گا“۔ یہ الفاظ تواتر سے بولے جاتے رہے ہیں۔ مگر اس سیاستدان کے خاندان کے بینک اکاؤنٹوں سے صرف سات سو کروڑ روپے برآمد ہوئے ہیں۔ ویسے اس سیاستدان کی ایک بات سچی ہے۔ انہوں نے واقعی دھیلے کی کرپشن نہیں کی۔ انہوں نے کھربوں کی کرپشن کی ہے۔ آج یہ موصوف، بڑی بڑی اخلاقی باتیں فرماتے ہیں۔ نیوشول کو۔، مفاہمت۔ مگر صرف ایک بات نہیں کرتے کہ انکے خاندان کے پاس لکشمی کیسے آئی ہے۔ اس طرح سندھ سے تعلق رکھنے والے شاہی خاندان کو پر کھیے۔ انہوں نے کرپشن بالکل نہیں کی۔ بلکہ کرپشن کو عملی طور پر جائز قرار دے ڈالا ہے۔ پرانی باتیں رہنے دیجئے۔ سندھ کے۔۔۔ میں رہنے والے ڈاؤں کے گروہوں پر انکے حکم کے مطابق کوئی کاروانی نہیں کی جاتی۔ براۓ نام۔ ایک فلم کی شوٹنگ کی طرح، پولیس والے اور گاڑیاں دوڑتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ اور تمام ڈاکوٹی سے غائب ہو جاتے ہیں۔ شنید ہے کہ قزاقوں کا یہ گروہ، بہت اوپر تک مال غنیمت بھجواتے ہیں۔ تبھی تو سندھ حکومت، ڈاؤں کی سرکوبی کیلئے، ریاستی اداروں، کی مدد لینے سے انکار کرتی ہے۔ صاحبان! یہ گروہ اس جمہوری حکومت کے تحت پھل پھول رہے ہیں۔ آہستہ آہستہ ملک کا پورا نظام مکمل طور پر ادنیٰ لوگوں کے ہاتھ میں جا چکا ہے۔ ہر ایک کو معلوم ہے۔ مگر کمزور اور بچھوئے لوگ کچھ نہیں کر سکتے۔ وہ تو اب احتجاج کی سکت بھی نہیں رکھتے۔ اس ملک کا ظالم نظام بھی بھی تبدیل نہیں ہوگا۔ ہاں، صرف ایک طریقہ ہے۔ اگر اسے اکابرین کے خون سے نہلا دیا جائے تو شائد کچھ بہتری آجائے۔ مگر اسکے لیے بھی ماںک سرکار کی سطح کا ایماندار شخص چاہیے، جو شائد ہمارے نصیب میں نہیں ہے؟

راو منظر حیات